Dareecha-e-Tahqeeq
دریچۂ تحقیق
ISSN PRINT 2958-0005 ISSN Online 2790-9972
VOL 4, Issue 1
www.dareechaetahqeeq.com dareecha.tahqeeq@gmail.com

ڈاکٹر سلمیٰ صدیقی
اسسٹنٹ پروفیسر گورنمنٹ ڈگری کالج واپڈاٹاؤن،لاہور
ڈاکٹر صائمہ ارم
پروفیسر شعبہ اردو گورنمنٹ کالج یونیورسٹی،لاہور

احمد ندیم قاسمی کی شاعری میں آزادی کا تصوّر

Dr.Salma Siddiqui
Assistant Professor, Government Degree College Wapda Town, Lahore
Dr. Saima Iram
Professor Department of Urdu Government College University, Lahore

Concept Of Freedom In Ahmed Nadeem Qasmi's Poetry

The poetical universe of the subjects of Qasmi's work, perspectives of his thought, sensibilities and delicacies of perception are very profound and wide. This research essay makes a brief and comprehensive analytical survey of Ahmad Nadim Qasmi's relation with progressive movement and his resistance against suppression and exploitation. He is a sworn enemy of any kind and shape of social, religious, economic and political oppression. His poetry reflects and stresses the freedom of human mind and soul.

Keyworld: Progressive, Revolutionary poetry, Government repression, Democratic mood, Freedom and liberty

کلیدی الفاظ: احمد ندیم قاسمی، خیر وشر، جاگیرداریت، جبر وظلم

احمد ندیم قاسمی ۱۹۱۶ء میں قصبہ انگہ ضلع خوشاب میں پیدا ہوئے۔(۱) جوانی کا دور عسرت میں گزرا۔ابتدا میں ترقی پسند تحریک سے تعلق نہیں تھا مگر جب ۱۹۴۳ء میں ''ادب لطیف'' کی ادارت کے فرائض سنبھالے اور ایک قابل اعتراض مضمون کی اشاعت پر حکومت پنجاب نے ان کے خلاف مقدمہ قائم کر دیا تو وہ ترقی پسند تحریک کے قریب آ گئے۔ اس کے بعد وہ دو بار جیل گئے اور حکومت وقت کا عتاب جھیلا۔ گو ڈاکٹر محمد علی صدیقی کی یہ بات درست ہے کہ ''جدلیاتی مادیت ان (احمد ندیم قاسمی) کے یہاں فلسفیانہ آدرش نہیں ہے۔''(۲) اس کے باوجود احمد ندیم قاسمی ایک ترقی پسند شاعر ہیں۔ کیونکہ ''ترقی پسندی'' صرف جدلیاتی مادیت پر یقین کا نام نہیں، یہ روشن فکری، انسان دوستی، انقلابی جدوجہد اور آزادیٔ اظہارِ فکر و عمل کا بھی نام ہے، یہ استحصال کے خلاف سعیٔ پیہم کی بھی دعویدار ہے۔ اس حوالے سے دیکھیں تو احمد ندیم قاسمی کی شاعری بلاشبہ ترقی پسند شاعری ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ ڈاکٹر محمد علی صدیقی، قاسمی کو جدلیاتی مادیت پسند نہ ماننے کے باوجود یہ کہنے پر مجبور ہیں:

''قاسمی صاحب کی شاعری میں قومی جذبہ، خیر وشر کے ڈرامہ میں خیر کی قوتوں کا ساتھ دینے کی تڑپ اور زبوں حال معاشرہ کی تیرہ وتاریک شب کے بعد مہر درخشندہ کی نمود نے انھیں نغمگی سے زیادہ فیصلہ کن استدلال سے مالامال کیا ہے۔ '' (3)

اس میں شک نہیں کہ احمد ندیم قاسمی انسان کی عظمت کے قائل تھے اور تادم آخر اس کے داعی رہے۔ انہوں نے ''انسان عظیم ہے خدایا'' کا جو نعرہ لگایا وہ ان کی

 Corresponding Author's Email: advghulammurtaza728@gmail.com

پوری شاعری پر چھایا رہا۔ جب ہم ان کی شاعری کا بغور مطالعہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس کے ساتھ ساتھ شہنشاہیت، جاگیر داریت، سرمایہ داریت، جبر و ظلم اور استحصال کے نظام کے بھی سخت دشمن ہیں۔ وہ معاشرے میں بہت بڑا انقلاب دیکھنا چاہتے ہیں تا کہ انسان اس کرّہ ارضی پر اپنی تقدیر کا مالک آپ بن سکے۔ وہ معاشرتی جکڑ اور روایاتی قید و بند سے آزاد ہو سکے اور خود مختار زندگی بسر کر سکے۔ وہ پرانی اقدار اور تمدن پر بار بار حملے کرتے ہیں اور ان اداروں کو و گروہوں کو پاش پاش کر دینا چاہتے ہیں جو انسان کی غلامی، مظلومی اور ذلت کا باعث بنے ہوئے ہیں۔ کیونکہ کوئی بھی غلام اور محکوم شخص عظیم انسان نہیں بن سکتا۔

احمد ندیم قاسمی کی احتجاجی اور انقلابی شاعری کی شدت کا آغاز ان کے تیسرے مجموعے ''شعلۂ گل'' سے ہوتا ہے۔ اس سے پہلے ''رم جھم'' اور ''جلال و جمال'' میں یہ شدت نہیں۔ اصل میں قاسمی کی شاعری میں ۱۹۴۷ء کے بعد انقلابی رویہ زیادہ ابھر کر سامنے آیا۔ شاید اس لیے کہ انہوں نے بھی قیام پاکستان کے بعد جس آزادی کی توقع لگا رکھی تھی وہ پوری نہ ہوئی تھی۔ لہٰذا ان کے جذبۂ حریت کی شدت ان کی شاعری میں نظر آئی۔ وہ اپنی نظم ''غم وطن'' میں بے ساختہ پکار اٹھے:

؎ جس کے کانوں نے صدائیں جرس گل کی سنیں
اس کے ہونٹوں پہ فقط نوحہ و ماتم کیوں ہو
؎ کٹ کے بھی جھک نہ سکا جو سر پندار وطن
کسی سلطان کے دربار میں اب خم کیوں ہو
؎ مجھ کو ڈر ہے، تری آواز ہے بھرائی ہوئی
حریت کا یہ ترانہ ہے تو مدھم کیوں ہو
؎ جس کو تہذیب و تمدن کا افق چھونا ہے
چند فرسنگ کی پرواز سے بے دم کیوں ہو
؎ پیٹھ کا زخم نہیں ہے کہ ندامت ہو تجھے
زخم سینے کا ہے، شرمندۂ مرہم کیوں ہو(4)

قاسمی صاحب کو بہت دکھ تھا کہ آزادی کے جو خواب دکھائے گئے وہ سب فریب نکلے اور انسان پھر پہلے کی طرح بدحال و پریشان۔ اس کی ساری امنگیں، خواہشیں، آرزوئیں، ارادے پر جبر کے پہرے بٹھا دیئے گئے اور پھر وہی محکوم و مغلوب!۔ کہتے ہیں:

؎ کونپلوں سے آگے ہیں انگارے
جن کی حدت سے تپ رہے ہیں چمن
؎ بن رہے ہیں گلے سڑے پتے
کتنی جامد حقیقتوں کے کفن
؎ زندگی، عزمِ زندگی سے تہی
کارواں کے غبار میں گم ہے
؎ زاہد کہنہ سال کے مانند
مقبروں کے شمار میں گم ہے
؎ ایک آفاق گیر سناٹا
زندگی! زندگی! پکارتا ہے
؎ سٹپٹاتا ہے، اپنے ہونٹوں سے
خون کی پپڑیاں اتارتا ہے(5)

احمد ندیم قاسمی کا نظریہ تو یہاں تک ہے کہ اگر خدا کے تصور کو سزا و جزا، قانون اور شریعت، جنت اور جہنم جیسے تصورات سے آزاد کر دیا جائے جن سے استحصال کو قائم رکھنے، سماج میں انقلابی تبدیلیاں پیدا کرنے اور سائنس کی قدروں کو آگے بڑھانے میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے تو خدا، انسان کی راہ میں حائل نہیں ہو سکتا۔ ان کی مشہور نظم ''انسان عظیم ہے'' میں اسی عقیدے اور نظریے کے تحت انسان اور خدا کا موازنہ اس طرح کرتے ہیں کہ خدا کا انسان کی راہ میں حائل ہونا تو ایک طرف، وہ انسان کو زیادہ حسین اور طاقتور سمجھتے ہیں:

؎ تو سنگ ہے اور وہ شرر ہے
تو آگ ہے اور وہ اُجالا
؎ تو نم ہے، نموں کا پاسباں وہ
تو دشت ہے، وہ چراغ لالہ
؎ انسان نے تجھے حسیں بنایا
انسان عظیم ہے خدایا!
؎ تو عین حیات ہے، مگر وہ
زئین حیات کر رہا ہے
؎ اُس پہ ہے غلط فنا کا الزام
سامان ثبات کر رہا ہے
؎ اب جینے کا ڈھب سمجھ میں آیا
انسان عظیم ہے خدایا!
؎ تو وقت ہے، روح ہے، بقا ہے
وہ حسن ہے، رنگ ہے، صدا ہے
؎ تو جیسا ازل میں تھا سو اب ہے
وہ ایک مسلسل ارتقا ہے
؎ ہر شے کی پلٹ رہا ہے کایا
انسان عظیم ہے خدایا! (6)

بقول ممتاز حسین ''یہاں احمد ندیم قاسمی کی فکر علامہ اقبال کی فکر سے زیادہ بلند ہو جاتی ہے۔'' (۷) اور یہ بات اس لیے درست ہے کہ احمد ندیم قاسمی دورِ حاضر کے اس مظلوم، مقہور، محروم اور مغلوب طبقے کو اپنے خالق کے پہلو میں بٹھانا چاہتے ہیں جس کی محنت سے دھرتی کے سینے میں نور چمکا ہے اور روح پیدا ہوئی ہے اور جس کے بازئوں کی طاقت سے لوہا پگھل کر پانی بن جاتا ہے۔ ان کے ہاں انسان شعوری طور پر اپنی تاریخ کا خالق بن رہا ہے۔ یہ اسی طبقہ کے افراد کی پیہم محنتوں کا نتیجہ ہے کہ زمان و مکاں دونوں ہی آج اپنے بازوئوں کو پھیلانے اور سمیٹنے کی انسان سے اجازت طلب کر رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے قاسمی صاحب محنت کشوں کو استحصال پسندوں کی غلامی اور محکومی سے نکال کر دھرتی کا آقا بنانے کا مشن بنائے ہوئے ہیں:

مجھے محنت کشوں کو دھرتی کا آقا بنانا ہے
؎ مجھے تخلیق کو خالق کے پہلو میں بٹھانا ہے
وہ اٹھے قافلہ در قافلہ پورب سے، پچھم سے
؎ وہ لپکے کارواں در کارواں اقصائے عالم سے

ملوں سے، مرغزاروں سے، بنوں سے، کوہساروں سے
دکانوں سے، گھروں سے، علم ودانش کے اداروں سے
خلش ان کے دلوں میں، اجتہاد ان کی نگاہوں میں
بچھی جاتی ہیں جمہوری روایات ان کی راہوں میں
مرا فن ان کی عظمت کا جب استقبال کرتا ہے
تو استحصال مجھ پر کفر کا الزام دھرتا ہے
اگر یہ کفر ہے، اس کفر کو ایماں بنائوں گا
گجر دم، ظلمت شب کے ترانے، میں نہ گائوں گا(8)

احمد ندیم قاسمی کی یہ بلند آہنگی، استحصالی قوتوں اور حکومتی جبر کا موثر ردعمل ہے۔ ان کی آواز کی تیزی اس بات کا اشارہ ہے کہ اگر خدا کے نام پر بھی انسانوں کو استحصال اور غلامی سے آزاد ہونے سے روکا گیا تو وہ ہر بڑی سے بڑی رکاوٹ کو روندتا ہوا ان لوگوں کے گریبانوں تک جا پہنچے گا جو اسے غلام رکھنے کی مختلف راہیں ڈھونڈتے ہیں۔ قاسمی صاحب کو انسان کی آزادی عزیز ہے۔ لہٰذا وہ انسانی آزادی کے حق میں آواز بلند کرتے ہوئے نکلتے ہیں۔ کہتے ہیں:

آج سلجھائے گی جمہور کی آواز اُسے
تم نے تاریخ میں جس بات کو الجھایا ہے
اب مرا ذوق کسی قید کا پابند نہیں
تم نے صدیوں مرے وجدان کو ترسایا ہے
تم ہی کہہ دو کہ سمندر ہے کف آلود کیوں
کیا چٹانوں سے سفینہ کوئی ٹکرایا ہے؟(9)

مقتدر طبقات کے کالے کرتوتوں پر تو عام آدمی بھی معترض ہوتے ہیں، پھر فنکار اور شاعر تو معاشرے کے حساس ترین لوگ ہوتے ہیں۔ ان کے اندر مزاحمتی جذبات کا بھڑک اٹھنا فطری امر ہے۔ یہ بات اپنی جگہ بجا ہے کہ ''ندیم کی شاعری، جمہوری مزاج اور انقلابی اقدار کی حامل رہی ہے۔'' (۱۰) اور یہ بہر حال ایک حقیقت ہے کہ ترقی پسند جمہوری مزاج کے حامل فنکار ہمیشہ سے عوام الناس کے دوش بدوش زندگی گزارنے اور ان کے حقوق کے تحفظ کے لیے قلمی جہاد میں پیش پیش رہے ہیں۔ لہٰذا قاسمی کسی بھی طور بورژوا اشرافیہ کے شاعر نہیں بلکہ پرولتاری طبقہ اور عوام کے شاعر ہیں۔ قاسمی کی شاعری کسی ماورائی یا روحانی دنیا کی آواز نہیں بلکہ اسی موجودہ مادی دنیا کی آواز معلوم ہوتی ہے۔ اسی لیے ان کے ہاں جمہوریت ہی جمہوریت اور انسانیت ہی انسانیت ہے۔ لہٰذا فتح محمد ملک کا یہ کہنا درست ہے کہ ''ندیم کے ہاں آپ کو آدمی کہیں تو مادی اور روحانی محکومی کی زنجیروں میں محبوس دکھائی دیتا ہے، کہیں ان زنجیروں کو توڑنے میں مصروف۔ ''(11)

احمد ندیم قاسمی نے بچپن ہی سے استحصالی طبقے کے ان گھنائونے پہلوئوں کو بچشم خود قریب سے دیکھا تھا۔ اس لیے ان کے ہر قسم کے ظلم و جبر اور استحصال کے خلاف کہیں احتجاج ملتا ہے اور کہیں انقلابی اور مزاحمتی رویہ نظر آتا ہے۔ مثال کے طور پر ان کی نظم ''تاریخ'' میں ان کا احتجاجی اور مزاحمتی اندازِ سخن بڑا واضح اور نمایاں ہے۔ دیکھئے:

بادشاہوں کے مقبروں سے اگر
تم مرتب کرو گے تاریخیں
تب بھی اک روز ان سے اُمڈیں گی
گرتے پڑتے عوام کی چیخیں(12)

احمد ندیم قاسمی دو بار جیل گئے تھے۔ ''پہلی دفعہ ۱۹۵۱ء میں سیفٹی ایکٹ کے تحت گرفتار ہوئے اور دوسری مرتبہ انہیں ایوب حکومت کے برسرِ اقتدار آنے پر شاہی مہمان خانہ نصیب ہوا۔'' (۱۳) قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنے والوں کے لیے جرائم اور تعزیریں مختلف ہوتی ہیں اور پھر عدالتیں انصاف فراہم کرنے میں حکمرانوں کے

اشارے کی منتظر ہوں تو جرم و سزا کے پیمانے بدل جاتے ہیں۔ لیکن یہ سماجی و عدالتی حبس اور پابندیاں قاسمی صاحب کی آزاد فکر اور ترقی پسندانہ سوچ کو نہ روک سکتی تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایوب خان کے صدارتی انتخاب کے موقع پر کراچی میں حکومتی پارٹی کے جبر و استبداد کی داستان ان کی نظم ''حصارِ گل'' میں بیان ہوتی ہے۔ قاسمی نے نظم ''صدائے بے صدا'' ایوب خان کے صدارتی انتخاب کے بعد لکھی تھی جس میں محترمہ فاطمہ جناح کو دھاندلی کے ذریعے ہرایا گیا تھا۔ ان دونوں نظموں میں ندیم کی حریتِ فکر اور انقلابی روپ کا کھلا اظہار دیکھا جاسکتا ہے۔ اگر ''حصارِ گل'' میں ندیم یہ کہتے ہیں کہ:

؎ محصور ہو گئے ہیں عجب فصلِ گل میں ہم
کلیوں کے دل فگار ہیں، پھولوں کے سر قلم
؎ تاروں کا قتل پردۂ شب میں ہوا مگر
دستِ سحر سے خون تو ٹپکے گا صبح دم
؎ چپ چاپ پی گئی ہیں لہو کی پکار کو
دانشوری کے یوں تو بڑے مدعی ہیں ہم(14)

تو ''صدائے بے صدا'' میں ان کی صدائے احتجاج یوں بلند ہوتی ہے:

؎ اظہارِ مدعا کی اجازت کا شکریہ
لیکن مری زبان تو واپس دلایئے
؎ اظہار سے صدا کی صفت کس نے چھین لی
اس رہزنی کا کھوج تو پہلے لگایئے
؎ جب مل گیا مجھے مری آواز کا سراغ
جفباں رہیں گے کنجِ لحد میں بھی میرے لب
؎ یوں بولنے کو بول تو دوں آج بھی مگر
تاروں کے ٹوٹنے سے نہ ٹوٹا سکوتِ شب(15)

عہدِ ایوب خان میں جب بنیادی جمہوریت کا نظام نافذ کیا گیا تو اس پر ندیم نے نظم ''جنگل'' لکھی۔ اس میں قدیم داستانوی ادب میں استعمال ہونے والی علامتوں اور استعاروں کے ذریعے ابلاغ و ترسیل کا سامان فراہم ہوا ہے۔ قاسمی نے ایوبی دور کی بنیادی جمہوریتوں کے نظام کی قبیح شکل اور اس کی وحشیانہ روح کو طنز کا نشانہ بنایا ہے۔ اس کے علاوہ قاسمی نے اپنی نظموں ''پابندی''، ''ہم'' اور ''صبحِ آگہی'' میں بھی حق گوئی اور بے باکی کا عمدہ اظہار کیا ہے۔ ایوب خان کے دورِ آمریت کے بعد ۱۹۷۷ء کے مارشل لاء کے دوران استبداد کے حکمرانوں کے سیاہ کارناموں میں ذوالفقار علی بھٹو کی سزائے موت سب سے اہم واقعہ تھی۔ اس دور کے بارے میں متعدد شعرا نے کھل کر احتجاج کیا۔ احمد ندیم قاسمی نے بھی بالخصوص دو نظمیں ''کرب نامہ'' اور ''ایک نوحہ'' لکھیں۔ ''کرب نامہ'' کے پہلے بند میں ندیم نے اظہار رائے پر قدغنوں اور پابندیوں کے اثرات کا ذکر کیا ہے اور اس بند کے آخر میں انہوں نے اس حقیقت کا برملا اعتراف کیا ہے کہ ''شدتِ کرب میں الفاظ بھی مر جاتے ہیں۔''(۱۶) اس سے اگلے بند میں اس تاریک دور کے بارے میں اس مصرعہ پر اختتام ہوتا ہے کہ ''چاند جب ڈوبتا ہے، چاندنی مر جاتی ہے''۔(۱۷) اسی نظم کے تیسرے بند میں قاسمی نے مصلحت کے تحت تاریخی حقائق کو قید کرنے کی ناکام کوششوں اور ظالم اور مظلوم طبقہ کے درمیان جاری آویزش کو منظوم کیا ہے اور اس نظم کا آخری بند جبر کے خلاف مزاحمت کے اعتبار سے نہایت اہم ہے۔ اس بند کا آغاز اگرچہ یوں ہوتا ہے:

؎ ہم جو مظلوم ہیں، مجبور ہیں، بے مایہ ہیں
ہم جو سب دیکھ کے بھی بول نہیں پاتے ہیں(18)

لیکن اس کا اختتام ضمیر کی دائمی سچائی کا اظہار لیے ہوئے اس طرح ہوتا ہے:

ہم تو وارث ہیں شہیدوں کے جمالِ فن کے
وہ جو پیوندِ زمیں ہو کے نکھر جاتے ہیں
اور نسلوں کے ضمیروں میں اتر جاتے ہیں(19)

احمد ندیم قاسمی کا آدرش تبدیلی ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ ظلم و استحصال پر مبنی یہ دنیا تبدیل ہو جائے اور ایک ایسی دنیا تخلیق ہو جہاں کوئی کسی پر ظلم اور جبر نہ کر سکے۔ احمد ندیم قاسمی کے بارے میں ممتاز حسین کی یہ رائے وقعت رکھتی ہے کہ :

''یہ چیز واضح ہو جاتی ہے کہ قاسمی معاشرے اور اپنے ماحول کو تبدیل کرنا چاہتے ہیں، ایک نئی دنیا کے تخلیق کیے جانے کا خواب اور حوصلہ رکھتے ہیں۔ ان کی شاعری کا رُخ اندر کی جانب نہیں، خود کلامی کی طرف نہیں؛ بلکہ باہر کی جانب، دوسروں سے ہم کلامی کی طرف ہے۔''(20)

سقوطِ ڈھاکہ، تاریخِ پاکستان کا ایک ناقابل فراموش سانحہ ہے، جو ۱۹۷۱ء کی پاک بھارت جنگ کے نتیجہ میں رونما ہوا۔ سقوطِ ڈھاکہ کا المیہ پاکستان کے دولخت ہو جانے کی داستان سناتا ہے۔ اس کہانی کا ایک عبرت ناک پہلو یہ بھی ہے کہ سانحہ ڈھاکہ کے بعد کیمپوں میں مقیم بہاری پاکستانیوں پر عالمی ریڈ کراس نے یہ قدغن لگا رکھی تھی کہ وہ اپنے عزیز و اقارب کو پچیس الفاظ سے زیادہ عبارت پر مبنی خطوط تحریر نہیں کر سکتے۔ ایسے مجبور و لاچار لوگوں سے قاسمی کی قلبی و جذباتی حمایت اور ہمدردی کا اظہار یوں ہوتا ہے :

شہرِ ٹیگور کے ایک بازار میں
تین سو میری عصمت کی قیمت پڑی
آخری بولی جس شخص نے دی
وہ ٹیگور کا کتنا ہم شکل تھا(21)

اور

بھیا، جب تم مجھ کو لینے آنا
اردو کا اک لفظ نہ کہنا
چپکے رہنا
مجبوراً کچھ کہنا پڑے تو اتنا
''میں گونگا ہوں ''(22)

واضح رہے کہ احمد ندیم قاسمی نے درج بالا نظموں کی شکل میں کل آٹھ نظمیں لکھیں جن کا عنوان ''۲۵ الفاظ'' (۲۳) رکھا۔ اور قاسمی نے یہ نظمیں بھی پچیس پچیس الفاظ میں لکھیں۔ اور ان نظموں میں قاسمی نے انتہائی اختصار کے ساتھ مغلوب اور مفتوح لوگوں کے پنجۂ استبداد میں جکڑے جانے اور ان کے استحصال کی کہانی بیان کی ہے۔ اصل میں قاسمی سقوطِ ڈھاکہ کے المیہ پہ شدید غم زدہ تھے۔ بقول فتح محمد ملک :

''احمد ندیم قاسمی کے ہاں سقوطِ ڈھاکہ کے المیہ پر غم کی شدت اور اچانک پن کا احساس اس بات کا غماز ہے کہ وہ پاکستان سے ٹوٹ کر پیار کرتے ہیں۔ ورنہ اس المیے کا سایہ تو برسوں پہلے ان کی فکر کی پرچھائیوں میں تحلیل ہونے لگا تھا۔ قیامِ پاکستان کے بعد ہمارے ہاں قومی احساس کے بتدریج زوال کا جیسا جیتا جاگتا شعور ندیم کی شاعری میں کارفرما ہے وہ اور کسی شاعر کے ہاں کم نظر آتا ہے۔ '' (24)

بین الاقوامی سطح پر ہونے والے ظلم و استحصال کے حوالے سے بھی قاسمی کا رویہ جدوجہد کے مختلف رُخ ظاہر کرتا ہے۔ فیض کی طرح قاسمی بھی اپنا رشتہ عالمِ انسانیت کے ساتھ استوار کرتے ہیں۔ ''جمیلہ''، ''خدیجہ زہرہ''، ''نیا ایشیا''، ''روشنی کی تلاش'' اور ''گجر بجا دو'' ایسی نظمیں ہیں جن کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک انقلاب پسند فنکار ہونے کے ناتے قاسمی نے اپنی شاعری میں دنیا بھر کی انقلابی تحریکوں کو سراہا ہے اور انقلابی جدوجہد میں شریک لوگوں کی توصیف کی ہے۔ قاسمی کی نظم ''جمیلہ'' اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ جمیلہ ایک حریت پسند الجزائری خاتون تھی جس نے آزادی اور حریت کے نام پر جان کی بازی لگا دی اور اپنے مقصد سے منہ نہ موڑا۔ اس کردار کی حمایت کر کے دراصل ندیم نے تمام ایسے لوگوں کی حمایت کی ہے جو اپنے اپنے ملکوں سے استحصال اور غلامی کو ختم کرنے میں مصروف ہیں۔ یہ اشعار دیکھئے :

ے پابہ زنجیر ہوئی وقت کی رفتار کہاں
جو کبھی کٹ نہ سکے ایسی شبِ تار کہاں
ے اے مرے جسم کو کانٹوں میں پرونے والے
ہے غلامی سے بھی بڑھ کر کوئی آزار کہاں
ے باندھے جاتے ہیں زبانوں پہ جہاں انگارے
واہوا بھی تو ہمارا لب اظہار کہاں(25)

قاسمی کی ایک نظم ''نیا ایشیا'' بھی خاصی مقبول ہوئی۔اس نظم میں چین میں ۷ فروری ۱۹۳۱ء کو چیانگ کائی شیک کی سامراجی حکومت کے ہاتھوں ہلاک ہونے والے چھ نوجوان ترقی پسند ادیبوں کو موضوعِ سخن بنایا گیا ہے۔ قاسمی نے اس نظم کو ظلم کی مزاحمت کرنے والے نوجوانوں کے نام کیا ہے۔انہیں ان شہیدوں کے روشن لہو میں ایک نئی سحر طلوع ہوتے دکھائی دیتی ہے۔ یہ نظم ایشیا میں ہی نہیں دنیا بھر میں انقلابی جدوجہد کی علامت بھی ہے اور ترقی پسند فنکاروں کی انقلابی اور مزاحمتی کوششوں اور فلسفے کو بھی پیش کرتی ہے۔چند مصرعے دیکھئے:

کون جانے کہ انسان اپنی طہارت کو محکوم رہ کر بھی کھوتا نہیں
کون جانے کہ آدم مظالم کے پاٹوں میں پس کر بھی نابود ہوتا نہیں
کون جانے کہ جب شاخ پر برف جمتی ہے، کونپل کی تخلیق رکتی نہیں
کون جانے کہ بہتے ہوئے پانیوں میں کرن ٹوٹ سکتی ہے جھکتی نہیں
یہ وہی جانتے ہیں جو احساس کی نرم پوروں سے چھوتے ہیں نبضِ جہاں
یہ وہی جانتے ہیں جو بھولے نہیں آدمی زار میں آدمی کا نشاں
یہ وہی لوگ ہیں جن کو سکوں کی جھنکار ڈستی نہیں
یہ وہ انسان ہیں جن کی انسانیت اتنی سستی نہیں
یہ وہی تھے جنہوں نے گراں مایہ جمہوریت کو نہ بیچا کسی اجنبی ہات میں
یہ وہی تھے جو مینارِ انوار بن کر چمکتے رہے ایک لمبی سیہ رات میں (26)

احمد ندیم قاسمی نے عالمی سطح پر رونما ہونے والے دیگر عصری واقعات سے بھی متعدد واقعات کو چنا اور ان پر اپنے جذباتی ردعمل کا شعری اظہار کیا۔اسی طرح تحریک آزادی کشمیر کی حمایت میں بھی ایک نظم ''کشمیر'' لکھی۔اس نظم میں انہوں نے جہاں دنیا کی سب سے بڑی خود ساختہ جمہوریت (بھارت) کے ظلم و تشدد اور استحصالی حربوں کی پر زور مذمت کی ہے، وہاں اقوام متحدہ کو بھی آڑے ہاتھوں لیا ہے۔کہتے ہیں:

ے سنتے ہیں سمندروں کے اُس پار
اقوام کی ایک انجمن ہے
ے آج اس کی روایتوں کی رو سے
رہبر ہے وہی جو راہزن ہے
ے سچ کہتی ہیں سب غریب قومیں
یہ بزم بھی بزم اہرمن ہے(27)

احمد ندیم قاسمی بلاشبہ حریت و آزادی کے لیے آواز بلند کرنے میں ہمیشہ پیش پیش رہے۔انہیں محکومی اور غلامی سے ہمیشہ نفرت رہی اور حریت انسانی ان کا آدرش بھی رہا اور خواب بھی۔اس لیے ہم اس حوالے سے انہیں اردو کا ایک اہم نظم گو شاعر کہہ سکتے ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ ملک حسن اختر، ڈاکٹر، ''تاریخ ادب اردو''، لاہور، ابلاغ، ۱۹۹۶ء، ص: ۶۵۸

۲۔ محمد علی صدیقی، ڈاکٹر، ''توازن، کراچی، ادارہ عصرِ نو، ۱۹۷۶ء، ص: ۲۲۸

۳۔ ایضاً، ص: ۲۲۴

۴۔ احمد ندیم قاسمی، ''شعلۂ گل''، لاہور، مکتبہ ادب جدید''، جون ۱۹۶۵ء، ص: ۱۳۲

۵۔ ایضاً، ص: ۴۹تا۵۰

۶۔ ایضاً، ص: ۷۰

۷۔ ممتاز حسین، ''ایک نیا منصور'' (پیش لفظ) مشمولہ: ''شعلۂ گل''، ص: ۱۹

۸۔ احمد ندیم قاسمی، ''شعلۂ گل''، ص: ۱۲۵تا۱۲۶

۹۔ ایضاً، ص: ۸۸

۱۰۔ حنیف فوق، ڈاکٹر، ''احمد ندیم قاسمی کی علمی شخصیت_ فن اور رابطۂ عصر''، مشمولہ: افکار'' (ندیم نمبر)، کراچی، ص ۳۳۲

۱۱۔ فتح محمد ملک، ''تعصبات''، لاہور، مکتبہ فنون، ۱۹۷۳ء، ص: ۲۳۴

۱۲۔ احمد ندیم قاسمی، ''دشت وفا'' لاہور، مطبوعات، ۱۹۶۸ء، ص: ۱۱۸

۱۳۔ آصف قادری، محمد، ڈاکٹر، ''احمد ندیم قاسمی کی شاعری میں مزاحمتی رویوں کی تحقیق و تنقید''، مشمولہ: مونتاج'' (نذر ندیم)، لاہور، شمارہ نمبر ۲۔۱، جنوری تا اگست ۲۰۰۷ء، ص: ۳۲۴

۱۴۔ احمد ندیم قاسمی، ''محیط''، لاہور، التحریر، ۱۹۷۶ء، ص ۶۶

۱۵۔ ایضاً، ص: ۶۳

۱۶۔ احمد ندیم قاسمی، ''لوح خاک''، لاہور، اساطیر، ۱۹۸۸ء، ص: ۴۱

۱۷۔ ایضاً، ص: ۴۲

۱۸۔ ایضاً، ص: ۴۳

۱۹۔ ایضاً، ص: ۴۳

۲۰۔ ممتاز حسین، ''ادب اور روح عصر''، کراچی، شہر زاد، ۲۰۰۳ء، ص: ۱۵۳

۲۱۔ احمد ندیم قاسمی، ''محیط''، ص: ۲۷۳

۲۲۔ ایضاً، ص: ۲۷۴

۲۳۔ ایضاً، ص: ۲۷۱

۲۴۔ فتح محمد ملک، ''احمد ندیم قاسمی: شاعر اور افسانہ نگار''، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۱ء، ص: ۹۹

۲۵۔ احمد ندیم قاسمی، ''دشت وفا''، ص: ۸۹

۲۶۔ احمد ندیم قاسمی، ''شعلۂ گل''، ص: ۱۷۶، ۱۷۷ اور ۱۷۹

۲۷۔ احمد ندیم قاسمی، ''محیط''، ص: ۷۳تا۷۴